

ترجمہ، پروفیسر تاثیر و جہان

بیرسٹر کے ایل گابا

امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری کا مقدمہ عدالت

آج فصیح البیان مقررین کا زمانہ بیت چکا ہے۔ سریندر ناتھ بنیرجی، فیروز شاہ مشرہ۔ محمد علی جناح، اپنی بسنت، سری نواس شاستری، اللہ لاجپت رائے اور بہت سے دوسرے شعلہ نوا مقررین کا دور کہ جنہوں نے لاکھوں انسانوں کے اندر اپنے حقوق کی حفاظت کے لئے بیداری پیدا کی اور (انقلاب عام سے) برطانوی سلطنت کی چولیں ہلا کر رکھ دیں۔ انسانوں کا یہ قبیلہ آج فی الواقع معدوم ہو چکا ہے۔

مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری کسی لفظ نظر سے اپنے دور میں ہندوستان کے ممتاز ترین اور خوفناک ترین مقرر تھے۔ ان کے دور عروج و ترقی میں اگر بالفرض ان کی نگر کے کوئی مقرر تھے بھی تو وہ تعدا میں برائے نام تھے۔ تین سے پانچ گھنٹوں کی تقریر ان کے لئے ایک عام سی بات تھی۔ سامعین کا جم غفیر، جو بعض اوقات ساٹھ ساٹھ ہزار انسانوں پر مشتمل ہوتا تھا ان کو سننے کے لئے نہایت صبر و تحمل سے انتظار میں رہتا۔ وہ عشاء کے بعد گیارہ بجے کے قریب سٹیج پر آتے تھے۔ اور پوچھنے پر سامعین کو چھوڑتے۔ جو پھر بھی گھروں کو بادلِ نخواستہ ہی جاتے ساری رات تقریر سن کر ان کا بالآخر گھروں کو جانا کسی شکم نسیری یا بیزاری کے باعث نہیں ہوتا تھا۔ بلکہ شاہ جی خود اس خیال سے انہیں چھوڑ دیتے تھے کہ (رات کا یہ وقت آخر) ان کے آرام و استراحت کے لئے ضروری ہے۔ وہ سامعین کو ہانپنے اور رلانے پر قادر تھے۔ وہ ان کے اندر جتنی آسانی سے تصنیع اور تنفر کے جذبات مشتعل کرنے کی قوت رکھتے تھے، اتنی ہی آسانی سے محبت، نرم دلی اور رحم کے جذبات ابرار نے کی صلاحیت بھی رکھتے تھے۔

شاہ جی اصل و نسل کے اعتبار سے عرب تھے۔ وہ بول چال میں عربی فارسی اور اردو کو استعمال کرتے تھے۔ وہ انگریز سے نفرت و عداوت رکھتے تھے۔ اور مرزائیوں کو بے حد ذلت و حقارت سے دیکھتے تھے۔ انڈین نیشنل کانگریس کی نامِ قیادت کئی سال تک ان کے ہاتھوں میں رہی۔ اور کئی موقعوں پر قید و بند کی صعوبتوں کو مردانہ وار جھیلا۔ لیکن انہوں نے کبھی بھی اپنی خداداد قابلیت، اپنے نظریات اور اپنی قربانیوں کو کسی ناچارِ نفع کے لئے واؤ پر نہیں لگایا۔

شاہ جی ہمیشہ سیاست کے موضوع کے مقابلے میں مذہب پر بحث و گفتگو کو ترجیح دیتے تھے۔ وہ کانگریس اور ملک کی پکار پر سرکارِ داربار کی قدس گاہ کو خیر باد کہہ کر سٹی گرہ کی تحریکوں کے حق میں، کبھی دوسروں کو انتخابات میں کامیاب کرانے، کبھی اپنی آتش بیانی سے سامعین کو (حق و صداقت کے لئے) شعلہ زن کرنے، کبھی عوام کو سیاسی جمود و خود سے چھٹکارا دلانے اور کبھی ملک و قوم کے نام پر ایثار و قربانی کے الؤ بھرکانے کے لئے میدانِ عمل میں اترتے تھے۔

جب ہندوستان بھی جنگ عظیم دوم میں شامل ہو گیا تو شاہ جی بہت جلد حکومت برطانیہ کی پالیسیوں کے ایک مخالفت کی حیثیت سے نمایاں ہو کر ابھرے۔ اس وقت حکومت پنجاب کا سربراہ بحیثیت وزیراعظم سر سکندر حیات خاں مرحوم تھا۔ وہ برطانوی حکومت کے مقصد اور مشن کے انتہائی وفادار حامیوں میں سے تھا۔ شاہ جی نے ۱۹۳۹ء کے موسم گرما میں بہت سی تقاریر کیں۔ جن میں سے ایک تقریر، کو جو راولپنڈی میں کی گئی، عدالتی مقدمے کی بنیاد بنانا حکومت کے لئے ذرا بھی مشکل نہ تھا۔ لیکن شاہ جی بھی معمولی آدمی نہ تھے۔ اور اس لئے (جیسا کہ اس زمانے میں یہ بات عام ہو گئی تھی) عوام کو جوش عمل پر اکسانے والے اور اپنی پوشیدہ قوت کے لحاظ سے اس خطرناک ترین مقرر سے ملک کو نجات دلانے کی خاطر سیکرٹریٹ میں ایک انتہائی شیطانی سازش کا منصوبہ تیار کیا گیا۔

ان پر شاہ برطانیہ کے خلاف بغاوت کا الزام لگایا گیا۔ یا دوسرے الفاظ میں انہیں غدار قرار دیا گیا۔ جو قانون فوجداری کی رو سے ایک سنگین ترین جرم تھا۔ اور جس کی سزا چالشی تھی یا عمر قید بہ عبور دریائے شور۔

چنانچہ آغاز جنگ کے فوراً بعد شاہ جی ضابطہ، تعزیرات ہند کی دفعہ نمبر ۱۲۱ الف کے تحت جاری ہونے والے ایک وارنٹ کے ذریعے گرفتار کئے گئے۔ شاہ برطانیہ کے خلاف بغاوت کا یہ مقدمہ حکومت پنجاب کے خاص حکم سے قائم ہوا۔ اور کئی مہینوں تک انہیں ایک حوالاتی ملزم کی حیثیت سے زیر حراست رکھا گیا۔ کیونکہ اتنے سنگین جرم کے لئے ضمانت کی درخواست مسترد کر دی گئی تھی۔ الزام کا لب لباب یہ تھا کہ شاہ جی نے ۳ جون ۱۹۳۹ء کی رات راولپنڈی کے مقام پر ایک ایسی تقریر کی تھی جس میں کئی دوسری باتوں کے علاوہ اس امر کا حوالہ بھی تھا کہ حکومت برطانیہ نے شہنشاہ ہند بہادر شاہ ظفر کے بیٹوں کو ناحق قتل کیا اور یہ بھی کہا تھا کہ اب وقت آ گیا ہے کہ ہندوستان میں برطانوی حکومت کا تختہ الٹ دیا جائے اور یہ کہ ہندوستان اپنا قابل قدر حصہ آزادی پہلے ہی حاصل کر چکا ہے۔ اور اب ان غیر ملکی استحصالیوں اور قصا بوں کو پوری طرح ملک بدر کرنے کے لئے عوام کو صرف ایک پُر عزم جذبہ عمل کی ضرورت ہے۔ یہ الزام بھی تھا کہ (انہوں نے کہا) مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ قابل نفرت سامراج کو ملک سے باہر لٹال پھینکنے کو جہاد (یعنی ایک مقدس جنگ) سمجھیں۔ نیز انہوں نے اپنے سامعین کو یہ کہہ کر بھی اشتعال دلایا کہ اب یہ کام صرف ایک ہی طریقے سے ممکن ہے کہ "یامرو یا مارو" قانونی سزا کی رو سے تقریر بغاوت پر اکسانے والی بھی تھی۔ (جو دفعہ ۱۲۳ الف کے تحت لائق تعزیر تھی) اور ساتھ ہی شاہ برطانیہ کے خلاف جنگ آزما ہونے کے مترادف بھی تھی۔ (جو ضابطہ تعزیرات ہند کی دفعہ ۱۲۱ الف کے تحت قابل سزا تھی)

یہ مقدمہ بہت زیادہ سیاسی اہمیت کا حامل تھا کیونکہ عوام میں اس امر کی پیش گوئی پائی جاتی تھی کہ حکومت سزا کے سلسلے میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھے گی۔ اس لئے میں شاہ جی کے قانونی دفاع کے معاہدے کو اپنے لئے ایک طرح کا اعزاز خیال کرتا تھا۔ لیکن میں یہ بھی جانتا تھا کہ یہ کافی ذمہ داری کا ایک معاملہ بھی ہے۔ کیونکہ

عامۃ الناس کو اس مقدمہ میں بڑی دلچسپی تھی۔ اور شاہ جی کی ہر دلچیزی اپنے انتہائی عروج پر تھی۔ اور عصری خلفشار اور جوش و جذبہ کی وجہ سے اس مقدمے کو ایک بڑی جنگ سمجھا جا رہا تھا۔ کیونکہ اس کا تعلق دو مضبوط شخصیتوں سر سکندر حیات وزیر اعظم حکومت پنجاب اور سید عطاء اللہ شاہ بخاری کے درمیان باہمی ٹکراؤ سے تھا۔ جن میں سے ایک خوشگوار لیکن بے رحم منتظم تھا۔ اور دوسرا نتائج سے بے پرواہ آتش بیان خلیب جسے مسلم عوام بہت کی طرح پوجتے تھے۔ راولپنڈی کے ایک مجسٹریٹ نے ابتدائی تحقیقات کی اور بادی النظر میں مقدمہ کو اہم خیال کرتے ہوئے بغاوت کے اکا نے اور شاہ برطانیہ کے خلاف جنگ آزادی کی ترغیب دینے کے الزام میں آئندہ توہین مقدمہ کے لئے اسے سیشن کے سپرد کر دیا۔

مقدمے کی اہمیت کے پیش نظر لاہور ہائی کورٹ نے کارروائی لاہور منتقل کر دی۔ اور ہدایت کی کہ لاہور کا سیشن جج مقدمہ کی سماعت کرے۔ اس وقت یہ سیشن جج انڈین سول سرورس کا ایک شخص مسٹر ڈی فالٹا تھا۔ جو آج کل شملہ ہائی کورٹ کا مسٹر جسٹس فالٹا کہلاتا ہے۔ فالٹا ہمیشہ ہی ایک سخت گیر جج رہا۔ جس کے سامنے کسی مقدمے کی پیروی کرنا یا اس پر بحث واستدلال کرنا آسان کام نہیں ہوتا تھا۔ کیونکہ وہ زور درج تھا۔ اور طبیعت میں غصے کا میلان رکھتا تھا۔ لیکن ایک ایسا وکیل جو اس کی زور درجی اور سختی کو نرم کرنے اور طبیعت کے اشتعال کو اعتدال پر لانے کی صلاحیت رکھتا ہو۔ اس کے لئے فالٹا ایک نہایت اعلیٰ جج تھا۔ جو با اصول، منصف مزاج، اور ہر قسم کے تعصب سے آزاد ہوتا تھا۔ فوجداری کے کسی مقدمہ میں جب تحقیقات مقدمہ پر ان کی توجہ مبذول کرائی جاتی تو کسی بھی ملزم کو عدالتی دیاننداری کے اعلیٰ ترین معیار کی توقع فالٹا سے زیادہ (کسی اور) جج سے نہیں ہوتی تھی۔ مقدمے کی سماعت، لاہور کی سیشن عدالت کے ایک بڑے کمرے میں ہوئی جو لوگوں سے کچھ کچھ بھرا ہوا تھا۔ فالٹا چار رائے دہندگان کے ہمراہ اپنی عدالت کی قست پر براجمان تھا۔ عبدالعزیز کو (جو کہ اب لاہور ہائی کورٹ کا مسٹر جسٹس ہے) شاہ برطانیہ کی نمائندگی کے لئے خصوصی وکیل سرکار مقرر کیا گیا تھا۔ ملزم (عطاء اللہ شاہ بخاری) کی طرف سے وکیل صفائی کے فرائض میں نے سرانجام دیئے۔ (چودھری مراد علی راولپنڈی کے وکیل میرے ساتھ تھے) چودھری صاحب میرے ایک نہایت ہی معتمد اور کار آمد جو نیر ثابت ہوئے۔ انہیں اس کیس کی بہت سی باتوں کا ذاتی علم اتنا تھا کہ میں نے ان سے بطور گواہ صفائی کام لینے کے غیر معمولی خطرہ کا فیصلہ کر لیا۔ خوش قسمتی سے یہ خطرہ مول لینا مفید ثابت ہوا۔ اور مراد علی کی گواہی نے جج اور رائے دہندگان کو بہت متاثر کیا۔ لیکن اس کے آنے سے قبل سرکار کی جانب سے اس مقدمہ کی تائید میں متعدد دگواہ پیش ہوئے۔

عدالت کی کارروائی کے درج ذیل اقتباسات ان رپورٹوں پر مبنی ہیں جو لاہور کے انگریزی روزنامہ "ٹری بیون" میں شائع ہوتی رہیں سرکار کی جانب سے مقدمہ کا آغاز کرتے ہوئے وکیل سرکار نے کہا کہ ملزم نے ۳ جون ۱۹۳۹ء کو راولپنڈی میں ایک تقریر کی۔ یہ تقریر استغاثہ کے موقف کے مطابق ایسے ٹکڑوں پر مشتمل تھی جو تعزیرات ہند کے جرم زیر دفعہ ۱۲۱ الف (شاہ برطانیہ کے خلاف جنگ آزادی) اور جرم زیر دفعہ

۳۴ الف (حکومت برطانیہ کے خلاف ترغیب بغاوت) کی زد میں آتے ہیں۔ ملزم کی تقریر جسے پولیس رپورٹر ضبط تحریر میں لایا تھا۔ نیز ملزم پر جو الزام عائد کئے گئے تھے، عدالت میں پڑھ کر سنائے گئے۔ وکیل صفائی نے روزنامہ ”ٹری بیون“ مورخہ ۶ جون کا ایک شمارہ عدالت میں پیش کیا جس میں سید عطاء اللہ شاہ بخاری کی متعلقہ تقریر کی رپورٹنگ کی گئی تھی۔ اور عدالت سے درخواست کی کہ ٹری بیون کے نامہ نگار رام لال چڈھا کو بطور گواہ پیش ہونے کے لئے سمن جاری کئے جائیں۔ زیر بحث رپورٹ استغاثہ کے الزام کا ایک پورا پورا مسکت جواب تھی۔ عدالت نے درخواست سے اتفاق کیا اور رام لال چڈھا کو سمن جاری کرتے ہوئے پابند کیا کہ وہ تقریر کے اپنے قلمی نوٹس پیش کرے۔ تب عدالت نے استغاثہ کی شہادت قلمبند کی۔

سرداری لال انسپکٹر استغاثہ راولپنڈی نے بیان دیا کہ اس نے حکومت پنجاب کے زیر حکم اس مقدمے کے سلسلے میں ایک شکایت دائر کی ہے۔ متعلقہ کاغذات اس وقت کے ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ راولپنڈی ایف سی بورن نے اسے ارسال کئے تھے۔ گواہ نے جرح پر کہا کہ یاد نہیں کہ تقریر کی نقل حکومت پنجاب کو کب بھیجی گئی تھی۔ میں نے تو نقل صرف اس وقت دیکھی تھی جب مجھے متعلقہ کاغذات موصول ہوئے۔ آغا سعادت علی ڈی ایس پی راولپنڈی نے بیان دیتے ہوئے کہا کہ میں جون ۱۹۳۹ء میں راولپنڈی میں سٹی انسپکٹر پولیس تھا۔ مجلس احرار کے زیر سرپرستی راولپنڈی میں ۳ جون کو ایک جلسہ ہوا۔ اس کی مشتمری بذریعہ منادی کرائی گئی۔ میں نے محمد یار ہیڈ کنشٹیبل کو کارروائی کی مختصر نویسی (شارٹ ہینڈ) کا کام سونپا۔ اس نے اپنی نوٹ بک اگلے روز واپس کر دی۔ یہ نوٹ بک میرے قبضہ میں رہی۔ اور اس میں کسی قسم کی تبدیلی نہیں لائی گئی۔ گواہ نے جرح میں کہا کہ کانگریس، مجلس احرار اور دوسری تنظیموں کے جلسوں کی رپورٹنگ کا انتظام میرے ذمے تھا۔ میں عام طور پر تقاریر کی مختصر نویسی کی خدمت پر محمد یار ہیڈ کنشٹیبل کو مامور کرتا تھا۔ محمد یار ہیڈ کنشٹیبل پھلورے کہا کہ میں تقاریر کو مختصر نویسی کی صورت میں نقل کرتا تھا، اور پھر ان کی نقل تیار کر کے اگلے روز نوٹ بک انسپکٹر استغاثہ کے حوالے کر دیتا تھا،

سرکاری وکیل نے سید عطاء اللہ شاہ بخاری کی طرف اشارہ کرتے ہوئے گواہ سے پوچھا کیا تم انہیں جانتے ہو؟ گواہ نے کہا، ہاں میں انہیں پہچانتا ہوں۔

شاہ جی نے رائے دی کہ یہ ملزم شناخت کروانے کا بڑا عمدہ طریقہ ہے۔ انہوں نے سوال کیا کہ کیا یہ شناخت ہے یا سیرا تعارف ہے؟ (حاضریں میں قہقہہ بلند ہوا) سرکاری وکیل نے کہا کہ تعارف کروانے کی ضرورت ہی نہیں کیونکہ عطاء اللہ شاہ بخاری کو ساری دنیا جانتی ہے۔ (مزید قہقہہ بلند ہوا) پھر گواہ نے ملزم کی تقریر کے ان اقتباسات کا حوالہ دیا جن میں یہ کہا گیا تھا کہ برطانوی راج کا تمام ممکن ذرائع سے خاتمہ کر دینا چاہیے۔ خواہ مرنے اور مارنے تک کی نوبت آجائے۔ ملزم پر مزید الزام یہ بھی تھا کہ اس نے یہ کہا کہ انگریزوں نے اُس بغاوت کے دوران جسے وہ عام طور پر ”غدر“ کہتے تھے علماء کی ایک کثیر تعداد کو موت کے

گھاٹ اتارا۔ یہ دراصل جنگ آزادی تھی۔ گواہ نے کہا کہ میں نے ملزم کی تقریر کے ان حصوں کو چھوڑا ہے جن کا تعلق مذہب یا قرآن سے تھا۔ اس نے دعویٰ کیا کہ اس کے نوٹس غلطی سے مبرا تھے۔ ان نوٹس کو صاف کرنے پر ایک گھنٹہ صرف ہوا تھا۔ گواہ نے جرح میں کہا کہ شاہ جی نے اوسطاً ۹۰ الفاظ فی منٹ کی تیز رفتار کے ساتھ تقریر کی۔ اور انہوں نے جو کچھ کہا اسے وہ مکمل طور پر ضبطِ تحریر میں نہیں لاسکا۔ گواہ نے کہا کہ شاہ جی نے سکندر حیات خاں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ اس وزیرِ اعظم نے جنگ میں اہلِ برطانیہ کی مدد کا وعدہ کر رکھا تھا۔ جب گواہ سے پوچھا گیا کہ کیا آپ نے تقریر کا یہ حصہ اپنی ڈائری میں تحریر کیا تھا تو گواہ نے اثبات میں جواب دیا لیکن وہ یہ الفاظ اپنی ڈائری کے اندر دکھانے سے قاصر رہا۔ مزید سوالات پوچھے جانے پر گواہ نے تسلیم کیا کہ صوفی عنایت محمد (پرسوری، مشہور احرارِ ہند) پر بھی جو اجلاس کی صدارت کر رہے تھے قانونِ تحفظِ امن ہند کے تحت مقدمہ چلایا گیا تھا۔ اس نے مزید یہ بات بھی تسلیم کی کہ بہت سے لوگوں نے اجلاس میں نظمیں گا کر پڑھیں اور شاہ جی کی تقریر کے دوران ان لوگوں کی موجودگی کا اقرار کیا اور یہ بھی کہا کہ وہ یہ صلاحیت رکھتے تھے کہ شاہ جی کی تقریر کے متعلق شہادت دے سکیں۔ فصلِ کریم نے جو راولپنڈی کے ایک وکیل کا منشی تھا۔ بیان دیتے ہوئے کہا کہ میں اس اجلاس میں حاضر تھا جس سے ملزم نے خطاب کیا تھا۔ اجلاس کے فوراً بعد محمد یار نے مجھے پوری تقریر پڑھ کر سنائی تھی۔ اور میں نے نوٹس کی صحت کی نشانی کے طور پر ان پر اپنے دستخط بھی کئے تھے۔ میں نے تصدیق کی کہ رپورٹ میں جو الفاظ درج کئے گئے ہیں وہ ملزم نے کچھ تھے۔ تقریر جو مجھے یاد تھی دو گھنٹے جاری رہی۔ اس نے کہا تاہم میرے لئے تقریر کی باز آفرینی مشکل کام ہے کیونکہ تقریر کو ایک سال گزر چکا ہے۔ تاہم اتنی بات ضرور یاد ہے کہ ملزم نے کہا تھا کہ میں برطانوی حکومت کا خاتمہ کر دینا چاہتا ہوں۔ میری جرح کرنے پر گواہ نے تسلیم کیا کہ پولیس کی امداد کرنے پر میں نے کئی اعزازی سرٹیفکیٹ حاصل کئے ہیں۔ میں نے جیلے میں شمولیت اس لئے کی کہ وہ جیل میں میرے محلے کے بالکل قریب منعقد ہوا تھا۔ اور پولیس رپورٹر محمد یار نے مجھے اپنے ساتھ جیلے میں چلنے کے لئے کہا تھا۔ میں مولانا مظہر علی اظہر سے واقف نہیں۔ میں نہیں جانتا کہ مولانا مذکور جیلے میں موجود تھے یا نہیں۔ مجھے یاد نہیں کہ آیا شاہ جی نے کانگریس یا احرار کی طرف اشارہ کیا تھا یا نہیں۔

سوال: کیا شاہ جی نے یہ کہا تھا کہ کانگریس نے بہت سی قربانیاں دی ہیں۔

جواب: نہیں لیکن انہوں نے یہ ضرور کہا تھا کہ اہلِ ہند نے روپے میں سے دس آنے کا سیاسی حاصل کر لی ہے۔

اگلے گواہ سربراہ ذیل دار، جہانداد خاں نے اپنے گواہ کی تائید کی۔ جرح کرنے پر گواہ نے یہ بات تسلیم کی کہ مجھے پستول کا لائسنس دیا گیا تھا۔ اور ساتھ ہی پولیس کی سفارش پر مجھے رقم کی صورت میں معاوضہ بھی۔

میں نے ایک اچھے مقدمے میں تعاون اور کامیابی کے صلہ میں پولیس کی سفارش پر امتیازی سندات حاصل کیں۔ راولپنڈی کے ایک ٹھیکیدار مولوی فضل الہی نے بھی بیان دیتے ہوئے کہا کہ میں جیل میں موجود تھا۔ جب میں وہاں پہنچا تو اس وقت ملزم اپنی تقریر کا کچھ حصہ ختم کر چکا تھا۔ مجھے تقریر یاد نہیں لیکن تقریر کے وہ حصے جو محمد یار نے یہاں پڑھ کر سنائے ہیں وہ ملزم نے اپنی تقریر کے دوران کئے تھے۔ جرح ہونے پر گواہ نے کہا کہ مختصر نوٹس کی نوٹ بک پر میرے دستخط کرنے سے پہلے محمد یار نے قرآن پاک اور دوسرے مذہبی موضوعات کو چھوڑ کر پوری تقریر کی نقل کو دہرانے میں پانچ منٹ صرف کئے تھے۔ میں مسلم لیگ سے ہمدردی نہیں رکھتا نہ ہی میں نے کبھی مسلم لیگ کے جلسوں میں شرکت کی مجھے مسلم لیگ یا کانگریس کے نصب العین کا علم نہیں۔ میں نے کبھی اخبار کا مطالعہ نہیں کیا۔ میں اس سلسلہ میں بالکل ناخواندہ ہوں۔ اس مرحلے پر عدالت کے پوچھنے پر میں نے (شاہ جی کے وکیل صفائی کے ایل گابانے) کہا کہ ان انیس گواہوں میں سے جو صفائی میں طلب کئے گئے ہیں۔ ہم مسٹر محمد علی جناح، صدر مسلم لیگ کو چھوڑ رہے ہیں۔ کیونکہ ان کے تعاون کا امکان نہیں اور اسی طرح تین دوسرے گواہوں کو بھی باقی ماندہ پندرہ گواہوں پر بہ شمول سابق وزیر اعظم صوبہ سرحد، صفائی کے لئے جرح بعد میں ہوگی۔ کیونکہ مقدمے کا اصل سوال یہ ہے کہ شاہ جی نے جیل میں اپنی تقریر کے دوران درحقیقت کیا کہا تھا؟

مولانا مظہر علی اظہر ایم ایل اے جنرل سیکرٹری آل انڈیا مجلس احرار صفائی میں بگلتے والے پہلے گواہ تھے۔ انہوں نے اپنے بیان میں کہا کہ ملزم مجلس احرار ہند کے صدر اور نائب صدر کے طور پر کئی بار منتخب ہوئے۔ مجلس احرار کا نصب العین یہ تھا کہ عدم تشدد پر مبنی ذرائع کے بل پر (برطانوی سامراج سے) کامل آزادی حاصل کی جائے۔ گواہ نے مزید کہا کہ ملزم اور میں نے یکم اور تین جون کو پٹنہ گھیسپ (ضلع ایک) کانفرنس میں تقریریں کی تھیں۔ ۳ جون کو ہم راولپنڈی میں آگئے۔ جہاں ملزم نے تقریر کی۔ جس کا موضوعاتی مواد یہ تھا کہ انہیں آزادی ہند کے لئے عدم تشدد پر مبنی جدوجہد جاری رکھنی چاہیے اور مسلمانوں کو اس جدوجہد میں حصہ لینا چاہیے۔ انہوں نے مجلس احرار پر لگائے گئے الزامات کی تردید کی۔ مثلاً یہ کہ مجلس احرار کانگریس کا بھٹی بچہ ہے۔ ملزم نے حکومت برطانیہ کا ذکر ہی نہیں کیا۔ یا یہ الزام کہ انگریزوں نے بہادر شاہ ظفر کے بیٹوں کا خون بہادر شاہ کے سامنے پیش کیا۔ نہ ہی ملزم نے ”مرو یارو“ کا فقرہ لگایا۔ اس نے جو کچھ کہا وہ یہ تھا کہ عوام کو برطانوی وقار کا خاتمہ کر دینا چاہیے۔ اور سکھر کے مقام پر بھی ملزم نے عدم تشدد کی ہی حمایت کی۔

وکیل سرکار کی جرح پر گواہ نے بیان دیتے ہوئے کہا کہ میں نے ملزم کی تقریر قلمبند نہیں کی۔ میرے علم کے مطابق کسی احرار کارکن کو آج تک تشدد کی تبلیغ پر سزا نہیں ہوئی۔ تشدد کا پرچار کرنے پر خود پارٹی صابٹلے کے خلاف ورزی کی بنا پر اس کے خلاف کارروائی عمل میں لاسکتی تھی۔ گواہ نے بتایا کہ اس سے حفظ امن عامہ کے سلسلہ میں سیالکوٹ کی ایک تقریر پر ضمانت لی گئی تھی۔ نیز یہ کہ اس نے کسی پولیس

رپورٹر کو نہیں دیکھا تاہم وہاں چند اخباری رپورٹر موجود تھے۔

سوال: جہاد کا مفہوم کیا ہے؟

جواب: اس کا مطلب جہد، کوشش ہے جس میں تشدد بھی ہو سکتا ہے اور عدم تشدد بھی۔

سوال: کیا عام طور پر اس کا مطلب ایک مقدس جنگ نہیں لیا جاتا۔

جواب: ہاں ایسا ہی ہے۔

راولپنڈی کے ایک تاجر بخشی ابناشی رام نے اپنے بیان میں کہا کہ ملزم نے ۳ جون ۱۹۳۹ء کو ایک تقریر کی، میں جلسے میں موجود تھا۔ ملزم نے اپنی تقریر میں کہا کہ ہندوستان میں بسنے والے نوکروں و مسلمانوں میں سے جو یہ سوچتے ہیں کہ ہندوستان کی آزادی کے لئے کام کرنے کا کوئی جواز نہیں وہ فریب میں مبتلا ہیں۔ لوگوں کو جیلوں میں جانے اور سول نافرمانی کی مہم چلانے کی کوئی ضرورت نہیں۔ ضرورت صرف ووٹوں کے صحیح استعمال کی ہے۔ اگر وہ احرار کو ووٹ دے دیں تو نوکانگریسی صوبوں کی طرح انہیں بھی حکومت مل سکتی ہے۔ گواہ نے بیان میں کہا کہ یہ بات غلط ہے کہ ملزم نے مرو یا مارو کے الفاظ استعمال کئے۔ عوام سے صرف یہ کہا تھا کہ وہ عدم تشدد پر سختی سے کار بند رہیں۔ اور برطانوی وقار کا خاتمہ کر دیں۔ سرکاری وکیل کی جرح پر گواہ نے بیان میں کہا کہ یہ بات غلط ہے کہ مسلمان عام طور پر خیال کرتے ہیں کہ مجلس احرار تو صرف کانگریس کے بھاڑے کا ٹٹو ہے۔ میں گزشتہ تین عام جلسوں میں شریک ہوا اگرچہ میں نے تقریر کے کوئی حصہ قلم بند نہیں کئے۔ تاہم تقریر کا خلاصہ میرے علم میں ہے۔ صفائی کے ایک اور گواہ چودھری مراد علی وکیل راولپنڈی نے بیان دیتے ہوئے کہا کہ میں سید عطاء اللہ شاہ بخاری کے ۳ جون ۱۹۳۹ء کے جلسہ عام میں موجود تھا۔ مولانا نے جلسے میں عدم تشدد کی تبلیغ کی۔ اور اپنی تقریر میں جہاد کا حوالہ دیا۔ لیکن اس انداز سے نہیں جیسے پولیس رپورٹر کی رپورٹ میں تذکرہ کیا گیا ہے۔ ملزم نے صرف یہ کہا تھا کہ ۱۸۵۷ء میں علی گڑھ نے آزادی ہند کے لئے جہاد کا مطالبہ کیا تو نتیجہ قتل و غارت گری کی صورت میں برآمد ہوا۔ اس لئے اب علماء نے فیصلہ کیا ہے کہ تشدد آزادی ہند کے لئے صحیح راستہ نہیں۔ انہیں چاہیئے کہ وہ آزادی عدم تشدد کے ذریعے حاصل کریں۔ ملزم نے یہ بھی کہا کہ ہندوستان پر برطانوی وقار کا خاتمہ ہونا چاہیئے۔ لیکن اس نے "مرو یا مارو" کے الفاظ استعمال نہیں کئے۔ یہ گواہ نجلی عدالت میں ملزم کا وکیل بھی تھا۔ جس پر گواہ نے تسلیم کیا کہ مسٹر گابا نے نجلی عدالت میں مقدمے کے حق میں استدلال کیا تھا۔ مولوی شمس الدین خطیب مسجد ہندو گھپ میں ایک اور گواہ تھا جس پر جرح ہوئی۔ اس نے اپنے بیان میں کہا کہ ہندو گھپ میں یکم تا ۳ جون مجلس احرار کی دعوت پر ایک کانفرنس منعقد ہوئی اور ملزم نے دو یا تین تقریریں کیں۔ ملزم کی تقریر کا خلاصہ یہ تھا کہ ہمیں آزادی صرف عدم تشدد کے ذریعے حاصل کرنی چاہیئے۔ ملزم نے پولیس کی تنخواہ میں اضافے کی ضرورت کی بھی حمایت کی۔ (تقریر) ڈاکٹر محمد عمر فرخین سرجن نے کہا کہ میں ملزم سے واقف ہوں۔ میں نے ۸، ۹، ۱۰ جون کو سکھر کا دورہ کیا تھا اور سکھر کی مجلس احرار کی دعوت پر ایک کانفرنس میں شرکت کی تھی۔ ملزم نے کئی

تقریریں کیں جن میں اس نے عدم تشدد کا پرچار کیا تھا۔ صوبہ سرحد کے سابق وزیر اعلیٰ ڈاکٹر خان صاحب نے بھی مدعا علیہ کے حق میں شہادت دیتے ہوئے کہا کہ احرار عدم تشدد پر پوری مضبوطی سے جھے ہوئے ہیں۔ روزنامہ ”ٹری بیون“ کے رپورٹر رام لال چٹھا نے کہا کہ اس نے ۳ جون کی تقریر اپنے روزنامہ کے لئے قلمبند کی تھی۔ اس نے گواہی دیتے ہوئے کہا کہ تقریر کے سرکاری ترجمے میں ملزم پر جن الفاظ کے استعمال کرنے کا الزام لگایا گیا ہے وہ اس نے نہیں کھے۔ چونکہ ملزم کو اپنی صفائی میں گھٹکنے والے گواہوں کی سربراہی حاصل تھی۔ اس لئے آخری بیان حکومت کے ذمے تھا۔ جب اس کی صفائی میں دلائل شروع ہوئے تو مجھے (کے ایل گاگا کو) چند لمحوں کے لئے (دلائل دینے میں) دقت محسوس ہوئی کیونکہ جج کے رائے دہندگان میں سے کوئی بھی زیادہ انگریزی سے واقف نہ تھا۔ اور فالٹا نے اردو کے علاوہ کسی اور ذریعہ اظہار میں دلائل سننے سے انکار کر دیا۔ بغاوت اور اغوا کے مقدمے کو اردو زبان میں زیر بحث لانا آسان کام نہ تھا۔ لیکن میں نے یہ فیصلہ کیا کہ میں یہ بات بھول جاؤں کہ محرمہ عدالت میں کھڑا ہوں۔ اور اپنی بات کو اس انداز میں بڑھایا جیسے یہ کوئی عوامی پلیٹ فارم اور اس کی سیاست ہو۔ اور جس کے لئے کسی قانون قاعدے کی چنداں ضرورت نہ ہو۔ اس کا اثر اور نتیجہ حیران کن رہا۔ میرا استدلال ایک گھنٹے تک جاری رہا۔ اور بعض ناظرین کے خیال کے مطابق ملزم نے جس طرح راولپنڈی میں نتائج سے بے پرواہ ہو کر تقریر کی تھی میں نے اس سے بھی زیادہ بے پرواہ ہو کر خطاب کیا۔ ایک مرحلے پر عبدالعزیز نے میری قلیق کلامی کرنا چاہی تو جج نے اسے ناگواری سے دیکھا۔ اور عبدالعزیز سب سے خاموش ہو گیا۔ اور جب عبدالعزیز کی باری آئی تو بلاشبہ اس نے میرے پیش کردہ دلائل کو رد کرنے کی سنت کوشش کی۔ لیکن میرا خیال ہے کہ وہ جانتا تھا کہ وہ اس وقت تک ساری کھیل ہار چکا ہے۔ قانونی تشنیص کنندگان نے بے یک زبان یہ اعلان کیا کہ ملزم مجرم نہیں اور جج فالٹا نے اس فیصلے سے اتفاق کرتے ہوئے ملزم کو ہر دو الزامات سے بری کر دیا سید عطاء اللہ شاہ بخاری نے سب سے پہلا کام یہ کیا کہ وہ میرے پاس بیٹھے اور مجھ سے گفتگو ہو گئے۔ انہوں نے میرے دونوں رخساروں پر بوسہ دیا۔ لوگوں کا ایک پرجوش و خروش بہوم اٹھ آیا جو مجھے بھی ہر اہر لیکر جلوس کی شکل میں شہر میں گشت لگانا چاہتا تھا۔ شام کو سٹی گارڈز نزد میں حکومت اور قادیانیوں کے خلاف ۳ گھنٹے تک زور خطابت صرف کر کے شاہ جی نے پچھلے بتائے کا سارا حساب چکا دیا۔ تاہم یہ تقریر ایسی کسی شکل میں پھنسانے کا باعث نہ بن سکی۔ میں اگلے روز کے مقدمے پر ایک نظر ڈالنے کے لئے عدالت سے واپس چلا گیا۔ اُس مقدمے میں میری بہترین کوشش کے باوجود جج نے شاید میرے خلاف ہی فیصلہ دیا۔ لیکن یہ تو ہر وکیل کا روزمرہ کا نصیب ہے۔

FROM "BATTLES" AT THE "BAR"

"THE TRIAL OF ATTAULLAH SHAH" P: 1-9

BY K L GAUBA, BOMBAY